ابن صفی کی شخصیت اور فن پر ان کے فرزند
ڈاکٹر ایثار احمد صفی اظہار خیال کرتے ہیں۔ قارئین
کی دلچسپی کے لئے ان کا مضمون پیش خدمت ہے۔

ابن صفی ——

منظر نگاری اور تجسس کا امام

ڈاکٹر ایثار احمد صفی

اردو میں جاسوسی ادب کا طبع زاد ناول نگار ابن صفی کو مانا جاتا ہے۔ ابن صفی نے اس دور میں، جاسوسی ادب کے اندر جدت طرازی کے اسلوب کو اپنایا جبکہ اردو میں صرف چند تراجم ہی ملتے ہیں۔

ابن صفی جولائی ۱۹۲۸ء میں الہ آباد کے قصبہ نارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم الہ آباد میں ہی حاصل کی۔ وہیں پلے بڑھے اور اپنی جدت پسند طبیعت کے باعث اردو کے جاسوسی ادب پر طبع آزمائی کی۔ چونکہ بنیادی طور پر شاعر تھے اور اسرار ناروی کے نام سے شاعری بھی کی اس لئے شاعرانہ مزاج نے اس میں چاشنی پیدا کر دی اور جاسوسی ادب جیسا خشک مضمون بھی دلکش اور پر تجسس بن گیا۔ ان کے قلم سے نکلنے والی کہانی میں جو روانی ہوتی تھی اس میں وہ منظر کشی اور تجسس کے رنگ بھرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قاری ان کی کہانیوں میں گم ہو جاتا تھا اسی لئے کچھ نقادوں کا خیال ہے کہ وہ واحد مصنف تھے جن کے ناول ایک نشست میں ختم کیے جاتے ہیں۔

کسی بھی ادیب کو اپنی تحریر میں رنگ بھرنے کے لئے خوبصورت مناظر کا سہارا لینا پڑتا ہے، یہ بات بھی مسلم ہے کہ ان میں رنگ بھی وہی بھر سکتا ہے جس کی سوچ شاعرانہ ہو یا خود شاعر ہو۔ ابن صفی چونکہ بنیادی طور پر شاعر تھے اور بارہ برس کی عمر میں جگر اور داغ کے انداز کی شاعری کر لیتے تھے جس کی مثال یہ قطعہ ہے۔

ہمیں تو ہے مئے گل رنگ و گل رخاں سے غرض
بنائے کفر پڑی کس طرح خدا جانے
بس اتنا یاد ہے اسرار وقت مئے نوشی
کسی کی یاد بھی آتی تھی ہم کو سمجھانے

ابن صفی جب اپنی کسی کہانی کا پلاٹ ترتیب دیتے ہیں تو وہ مناظر، حالات کا بغور اور باریک

بینی سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ جس کو پڑھنے کے بعد قاری واقعات کے پس منظر میں کھو جاتا ہے۔

منظر کشی کے اصول کے تحت ایک تخلیق کار کو اس منظر کی تمام جزویات کا علم ہونا ضروری ہے۔ وہ اس کو اس خوبصورتی سے بیان کرے کہ قاری کا ذہن اسے فوراً قبول کر لے۔ اسی طرح کسی کے مزاج اور کردار کے بارے میں بیان کرنے لگے تو اس مخصوص طبیعت کے لوگوں کے مزاج کا بغور مشاہدہ کر لے تاکہ کوئی بات متضاد نہ لگے، حتیٰ کہ اسے ان کے سوچنے کا انداز بھی پتہ ہو۔ یہ بات اس وقت زیادہ اہم ہوتی ہے جب وہ کسی ایک خاص نقطہ نگاہ کے لوگوں کا نقشہ کھینچنا چاہتا ہو، یا کسی خاص ملک کے لوگوں کا رہن سہن ظاہر کرنا چاہتا ہو۔ اس ضمن میں، میں ذاتی طور پر ایڈلا وائسیریز کا حوالہ دینا ناگزیر سمجھتا ہوں۔ جس میں عمران ایک مشن پر اٹلی جاتا ہے۔ ان ناولوں میں جس خوبصورتی سے اطالوی معاشرے، مقامات اور لوگوں کی سوچ کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو ان میں رہا ہو۔ راقم الحروم کو کیونکہ اٹلی میں تعلیم کے دوران خاصا وقت گزارنے کا موقع ملا۔ اس لئے وہاں کے مقامات اور معاشرتی معاملات کو بالکل ویسا ہی پایا جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے۔ وہ شارع ویا نومینیسیتانا ہو، یا تیسرے درجے کا ہوٹل، یا بازار یا کوموکی جھیل یا سسلی کے ساحل سمندر۔ کوئی بھی اس قدر عمدہ اور دلکش عکاسی کو دیکھ کر یہ یقین نہیں کر سکتا کہ اس ناول کا تخلیق کار کبھی اس ملک میں نہیں آیا! لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابن صفی نے پاکستان بننے کے بعد سوائے ہجرت کے کوئی سفر ملک سے باہر نہیں کیا۔ یہ ان کے اپنے علم کا طلسم تھا کہ وہ نقشہ اس خوبی سے کھینچتے تھے کہ قاری کو احساس ہوتا ہے کہ جیسے وہ خود اس ماحول میں ہو۔ (چاہے وہ عمران کا لندن کا سفر ہو یا افریقہ کے جنگلوں کا یا برازیل میں دریائے ایمیزن کے کنارے)

ابن صفی کی تحریروں کی دوسری بڑی خاصیت تجسس ہے۔ وہ کہانی کا جال کچھ اس انداز میں پھیلاتے ہیں کہ پڑھنے والے کا ذہن اس میں الجھ کر رہ جاتا ہے جس کا ازالہ وہ اس کو ایک نشست میں پڑھ کر کرتا ہے۔ جس زمانے میں دوسرے ناول کے لئے پڑھنے والے کو ایک ماہ کا انتظار کرنا پڑتا تھا وہ انتہائی کرب سے گزرتا تھا۔ ابن صفی کے مداح آپس میں بیٹھ کر کرداروں اور واقعات پر بحث کرتے تھے ان کے قلم کے سحر زدہ مداحوں کا انداز بھی کچھ اس طرح ہوتا جیسا کہ آج کل بیٹھ کر سیاست یا حالات حاضرہ پر بحث ہوتی ہے۔ کسی بھی ادیب کے لئے یہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ لوگ اس کی تحریر کے منتظر رہیں۔ لوگ ان کو خطوط لکھ کر اور مل کر اپنی بے چینی کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ شائد لوگوں کے علم میں نہ ہو جو مصنف فکشن کے اعلیٰ مقام پر فائز تھا، جس کے تخیل پر بہت سی ایجادوں نے جنم لیا۔ جس کی سوچ ہمیشہ آسمانوں سے اونچی اڑتی تھی

ان کے تخیل کی پرواز طلسم ہوشربا کی ان جلدوں کے مرہون منت تھی جو سات برس کی عمر میں ان کی گھٹی میں اتر چکا تھا۔ ان کے کردار عمران، فریدی، سنگ ہی اور تھریسیا انہی کی طرح پر تجسس طور پر کام کرتے نظر آتے ہیں جیسے کہ کوئی طلسم ہوشربا کی داستان کے کردار ہوں۔ ہم

بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے طلسم ہوشربا کو دور جدید کے نئے زاویے میں لکھ ڈالا۔ جس نے ان کے کرداروں کو پڑھا وہ انہی کا ہو رہا۔ پھر کچھ دوسرے نقال لکھنے والوں نے بھی انہی خطوط پر لکھنا چاہا لیکن ابن صفی کا قاری اصل اور نقل کی کسوٹی پر پرکھنے لگا، وہ چند سطریں پڑھ کر بتا سکتا تھا کہ یہ تحریر کس کی ہے۔ یہ ابن صفی کے قلم کا کمال تھا کہ انہوں نے تین نسلوں کے ذہنوں پر حکومت کی۔ ابن صفی کے ناولوں میں تجسس کا ایک ایسا جال بنتا ہے کہ قاری خود کو اس کہانی کا کردار سمجھنے لگتا ہے۔ قاری کو پتہ ہے کہ کرنل فریدی کہانی میں کب داخل ہو گیا۔ اگر فریدی مجرموں سے برسرپیکار بھی ہے اور اس نے کوئی اور روپ دھار رکھا، قاری اس روپ کو پہچانتا اور اس کے کارناموں پر متحیر ہوتا ہے اور آخر میں دوسرے کرداروں پر یہ راز کھلتا ہے کہ وہ اصل میں فریدی تھا۔ قاری اپنے دل میں خوش ہوتا ہے کہ مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا..... یہ اپنے دام میں حصار کرنے کے لئے وہ گر تھا جو صرف ابن صفی کے یہاں ملتا ہے۔ قاری کرداروں کے ساتھ قلبی رشتہ جوڑ لیتے ہیں۔ جاسوسی ناول "زمین کے بادل" میں فریدی اور عمران کو یکجا کر کے زیرولینڈ کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ فریدی پسندوں کی شکایت تھی کہ عمران نے فریدی کے مرتبے کے اعتبار سے گفتگو نہیں کی۔ عمران پسندوں کو اعتراض تھا کہ یہ کیس فریدی صاحب کا نہیں تھا۔ انہوں نے یہ کیوں کہا کہ وہ ایک دن دنیا کو بتائیں گے کہ زیرولینڈ کہاں ہے؟ یہی وجہ تھی کہ ابن صفی نے "زمین کے بادل" کے بعد ان دو کرداروں کو کبھی اکٹھا نہیں کیا۔

عمران کا کردار اپنی نوعیت کا واحد کردار ہے۔ وہ ایسے کھلنڈرے مگر تعلیم یافتہ نوجوان کا کردار ہے جس کا ظاہری رویہ لاپرواہی اور مسخرہ پن کا مظہر ہے۔ جس کو اسکے باپ جو انٹیلی جنس سروس کے ڈائریکٹر جنرل ہیں اس کی حرکتوں کے باعث گھر سے الگ کر دیتے ہیں۔ لیکن اصل روپ کچھ اور ہے۔ فارن سیکریٹری کے تحت ایک سپر سیکرٹ سروس کا انچارج اور اعلیٰ عہدیدار ہے۔ جس کو اس کے ماتحت ایکس ٹو کے نام سے جانتے ہیں۔ وہ ٹیلی فون پر ان سے رابطہ رکھتا ہے اس بات کا دعویٰ رکھتا ہے کہ اسے اسکے ماتحتوں کی پل پل کی خبر ہے اس آواز کی ہیبت سے ماتحت کانپتے ہیں۔ لیکن یہی عمران جب اپنی تمام تر حماقتوں کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے تو کوئی اسکو خاطر میں نہیں لاتا۔ بلکہ اسکو چٹکیوں میں اڑا کر محظوظ ہوتے ہیں۔

اس تمام منظر اور تذبذب کے عالم سے جو اصل میں محظوظ ہوتا ہے وہ ہے عمران کا قاری۔ جو کہ اس کی ذہانت اور باریک بینیوں پر نظر رکھتا ہے اگر عمران کسی مصلحت کے سبب اپنے اصلی روپ میں ظاہر نہیں ہوتا پھر بھی اپنی احمقانہ حرکتوں کی وجہ سے پہچان لیا جاتا ہے۔ یہ ابن صفی کا قاری ہے۔ جو غیر ارادی طور پر اس ناول کا حصہ بن جاتا ہے اور اتنی دلچسپی کا مظاہرہ کرتا ہے جیسا کہ وہ تمام واقعہ کا عینی شاہد ہو۔ ایک طرف قاری ابن صفی کا ناول پڑھ رہا ہوتا ہے دوسری طرف اپنے طور پر کیس کو حل کرنے میں مشغول ہوتا ہے۔ لیکن کرداروں اور واقعات کی اونچ نیچ میں اتنا غرق ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ ناول ایک نشست میں مکمل کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ابن صفی کے ناولوں میں جہاں سچائی اور قانون کی بالا دستی دکھائی گئی ہے وہیں مجرمانہ ذہنیت رکھنے والوں کے ذہنوں میں جھانک کر دیکھا گیا ہے کہ وہ لوگ کیسے سوچتے ہیں؟ ان کی مجرمانہ ذہنیت کی ابتداء کیسے ہوتی ہے؟ اور وہ لوگوں کو اپنے افکار سے کیسے متاثر کرتے ہیں اور اپنے ہم خیال کس طرح بناتے ہیں؟ اور بین السطور یہ سبق بھی دیتے جاتے ہیں کہ ان لوگوں کی نشاندہی کی جائے اور ان کو قانون کے حوالے کیا جائے تاکہ معاشرہ سے جرائم اور لڑائی ختم ہو سکے۔ دوسرے الفاظ میں ابن صفی اپنے قاری کو ہر خطرے سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کو ہوش مند شہری بنانا چاہتے ہیں۔ ابن صفی کے قارئین یقیناً "علامہ دہشتناک" کا کردار نہ بھلا سکیں گے۔ اسی طرح کے منفی کردار سنگ ہی اور تھریسیا بھی ہیں۔ سنگ ہی ایک چالاک و عیار چینی نسل کا مجرم ہے جو اپنے مارشل آرٹ کی وجہ سے بہت پھرتیلا ہے۔ اس کے مخالف کیمپ کی تھریسیا ہے جو "ٹی تھری بی" کہلاتی ہے ایک الگ دنیا رکھتی ہے۔ انہوں نے ایک جزیرہ زیرو لینڈ کے نام سے بنایا ہے جہاں وہ مجرموں اور معصوم لوگوں کو قید کر کے جرائم کی تعلیم دیتے ہیں۔ زیرو لینڈ دنیا والوں کے لئے ناقابل تسخیر ہے۔ جرائم کی دنیا میں بھی اتحاد ہو جاتا ہے کبھی کبھی سنگ ہی اور تھریسیا مل کر بھی کام کرتے ہیں۔ مگر ان کا سب سے بڑا مسئلہ عمران ہوتا ہے۔ وہ دنیا کے کسی کونے میں کسی جرم کی ابتداء کرتے ہیں وہاں عمران کو کسی نہ کسی روپ میں اپنا مدمقابل پاتے ہیں۔ کیونکہ عمران ہر لمحے ان کے ارادوں کی خبر رکھتا ہے۔ تجسس کے ان تمام مراحل میں قاری عمران کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا تجسس لمحہ لمحہ بڑھتا جاتا ہے۔ اس کی تمام ہمدردیاں عمران کے ساتھ ہوتی ہیں کیونکہ عمران ایک نصب العین کے لئے کام کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن افسوس صرف اس وقت ہوتا ہے جبکہ تمام تر کارنامہ عمران کا ہوتا ہے اور اسی کا کوئی ماتحت بحکم ایکس ٹو اسے جل دیکر نکل جاتا ہے وہاں بھی قاری یہ سوچ کر مطمئن رہتا ہے کہ سارے ماتحت تو نکمے ہیں اگر عمران نہ ہوتا تو یہ کارنامہ انجام پذیر نہ ہوتا۔ وہ اپنے تئیں اس محکمے پر مہربانی سمجھ کر خوش ہوتا ہے۔

اب آپ ہی بتائیں جہاں مصنف اپنے قاری کے اعصاب پر اس قدر سوار ہو، کیا وہ زندہ تحریریں نہیں ہیں؟ کیا یہ تجسس اور منظر نگاری کی انتہا نہیں ہے؟

اگر کوئی اہل علم یا نقاد اسے نہ مانے تو یہ اس کا انفرادی فعل ہوگا۔ انہوں نے اپنے مقام کا تعین خود ہی کر لیا تھا ان کا کہنا تھا کہ "میری کتابیں بک شیلف پر نہیں بلکہ قاری کے تکیے کے نیچے ملتی ہیں۔"

جہاں بھی اردو زبان بولنے والے یا سمجھنے والے پائے جائیں گے وہاں ابن صفی کے تذکرے کے بغیر اردو زبان کا ذکر نامکمل رہے گا۔